© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

اسلامی نظام اور شریفانہ وسائل

گزشتہ ہفتوں میں ملک کی سیاسی صورت حال نے جو رُخ اختیار کیا ہے۔ اس نے اسلامی نظام یا نظامِ مصطفےٰ کے داعیوں کو ایک نئی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اس آزمائش سے عہدہ برا ہونا سیاسی طور پر بڑا کارنامہ ہوگا۔

نظامِ مصطفےٰ کا قیام ہر مسلمان کی عزیز ترین تمنا ہے لیکن یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ اجتماعی طور پر اخلاقی بنیادوں پر وہی لوگ کام کر سکتے ہیں جن کی اپنی انفرادی زندگیاں اخلاق کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی ہوں۔ ظاہر ہے کہ انفرادی زندگی کو سنوارنے کے لئے مسلسل محنت، ریاضت، عبادت اور محاسبہ نفس سے کام لینا پڑتا ہے، ورنہ ایک بلند مقصد کا حصول غیر شریفانہ راہ سے ممکن نہیں۔ حتی کہ سیکولر فلسفۂ حیات نے بھی جہاں کہیں شریفانہ وسائل کو اختیار نہیں کیا، وہاں بلند بانگ دعووں کے باوجود انسانی معاشرے کو بے پناہ مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہمیں اس آزمائش سے عہدہ برا ہونے کے لئے اپنے وسائل کا بے لاگ جائزہ لینا چاہیئے کہ وہ کہاں تک بذات خود درست ہیں۔ یہی چیز اس اداریہ کی محرک بنی ہے۔ چنانچہ اسلامی نظام کی داعی جماعتوں سے یہ درخواست ہے کہ وہ بدلے ہوئے حالات کا صحیح جائزہ لینے کے لئے ماہرین کی ایک کمیٹی کی تشکیل کریں جو مندرجہ ذیل امور پر تاریخ کی روشنی میں بحث کریں۔

۱۔ کیا موجودہ مغربی طرز کی جمہوریت جو قومی اسمبلی اور سینیٹ کی شکل میں رونما ہوتی ہے اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظام کو عملی طور پر نافذ کرنے کے لئے سود مند ہے؟ اہلِ علم نے ہمیشہ کہا ہے کہ عہدِ حاضر میں قومی اسمبلی کسی نہ کسی شکل میں ہماری کلاسیکی روایات کے ایک ادارہ یعنی اجماع کی ایک نئی شکل ہے۔ جس کے ممبر اجتہاد سے کام لیتے ہوئے اجتماعی مسائل کو قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں حل کریں گے۔ سوال یہ ہے کہ کیا گذشتہ تیس سال کے تجربے سے ہمیں ابھی تک یہ پتہ نہیں چلا کہ اسمبلی کے ممبروں کی اکثریت اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور نہیں ہوتی چنانچہ جو لوگ اسلام سے واقف ہی نہیں ہیں وہ اجتہاد سے کیوں کر کام لیں گے یا قرآن و سنت کی روشنی میں مسائل کو کس طرح حل کریں گے۔ حتیٰ کہ وہ خالص سیکولر مسائل بھی حل نہیں کر سکتے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم اس موضوع سے متعلق اپنی سابقہ روایات سے روشنی حاصل کریں۔ ہمارے مفکرین نے کہا ہے کہ صدر ریاست کے انتخاب کے لئے جہاں صدر میں چند شرائط کا ہونا ضروری ہے، مثلاً علم و فضل، شجاعت، بہادری، سیاسی بصیرت، پاک دامنی وہاں انتخاب کرنے والے حضرات کیلئے بھی چند شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ یہ انتخاب کرنے والے جو ہماری روایات میں "اصحاب حل و عقد" کے نام سے موسوم ہیں صدر ریاست کا انتخاب کرتے تھے۔ اگر ہم اس عوامی دور میں "اصحاب حل و عقد" کے نظریہ پر پوری طرح عمل نہیں کر سکتے تو کم از کم جن آدمیوں کا انتخاب کیا جا رہا ہے۔ ان پر چند شرائط ضرور عائد کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ درسِ نظامی کے فاضل ہوں یا کم از کم بی اے ہوں۔ ایسے ہی کبھی کسی اخلاقی جرم میں ملوث نہ ہوئے ہوں۔ ہماری گذارش یہ ہے کہ موجودہ طرزِ انتخاب کے بارے میں از سرِ نو غور کیا جائے، کیونکہ جمہوریت کی راہ پر چل کر ہم شاید مغرب تک تو پہنچ جائیں لیکن حجاز نہیں جا سکیں گے۔ ہمیں اپنے مسائل اپنے گرد و پیش کے حالات اور روایات کی روشنی میں حل کرنا چاہئیں۔ اس طرح ہمارے ماضی، حال اور مستقبل کا تسلسل باقی رہے گا۔

عجیب اتفاق ہے کہ یہاں ایشیا میں بعض دوسری غیر مسلم اقوام بھی ہیں۔ جنہیں تاریخی شعور گو ورثہ میں نہیں ملا لیکن وہ قومی اسمبلی یا سینٹ کے نام تک اپنی پرانی روایات سے مستعار لے رہی ہیں۔ بھارت میں ایوانِ زیریں اور ایوانِ بالا کو لوک سبھا اور راجیہ سبھا سے تعبیر کیا جا رہا ہے اور اسرائیل میں اسمبلی نیسٹ (Kenneset) کے نام سے موسوم ہے۔ ایک ہم ہیں کہ ہمیں مجلس شوریٰ تک کی اصطلاح اختیار کرنے میں جھجک محسوس ہو رہی ہے، آخر کیوں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ اصحاب حل و عقد کے ادارہ کو واپس لانے کا ایک دوسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم سینیٹ میں ہر پیشہ کے معزز لوگوں کا انتخاب کریں، جس کی رو سے ادب، تعلیم، دین، فلسفہ، سائنس، کاشتکاری، صنعت گیری، مزدوری غرضیکہ ان تمام پیشوں کے ممتاز نمائندے نامزد کئے جا سکتے ہیں اور یہ طریق ہماری روایات سے ہم آہنگ ہے، اس طرح سے ایوان بالا عوامی نمائندوں کی لغزشوں کا بہتر طور پر محاسبہ کر سکے گا۔ یہ کوئی نیا طریق نہیں ہے۔ خود ایشیا میں بعض ایسے ملک موجود ہیں جہاں ایوان بالا میں بعض ممبروں کا انتخاب صدر کرتا ہے۔

۳۔ ہمیں اپنے فلسفہ تاریخ کی روشنی میں خود اپنا جائزہ لینا ہوگا کہ ہم نے کہاں تک اپنی اجتماعی زندگی کو اس فلسفے کی روشنی میں متعین کیا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے تفصیل سے یہ لکھ چکے ہیں کہ اسلام انفرادی اور اجتماعی نجات کا قائل ہے۔ نہ تو وہ ایسی روحانیت کا قائل ہے جس میں تاریخ کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔ اور نہ ہی وہ تاریخ کے بنانے میں ایسا منہمک ہے کہ روحانیت سے دستبردار ہو جائے[۱] یہ تصور کہ مسلم قوم نے اپنا تاریخی رول ادا کرنا ہے، کسی نہ کسی انداز سے مسلمان سوسائٹی کے دل و دماغ سے برابر کھیلتا رہا ہے اور جب کبھی کوئی مذہبی یا سیاسی تحریک اس "اجتماعی ارادہ" سے ٹکراتی ہے تو اسے میدان چھوڑنا پڑتا ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں خود برصغیر میں جو تحریکیں چلیں۔ ان میں وہی تحریک کامیاب ہوئی جو مسلمانوں کے اس اجتماعی ارادہ (Collective will) کے مطابق کام کر رہی تھی مثلاً ہندوستان میں جب بعض لوگوں نے جہاد کی تنسیخ کا فتویٰ دیا تو مسلمانوں نے اسے اپنی پوری پس ماندگی کے باوجود اجتماعی طور پر مسترد کر دیا۔ کیونکہ ایسا فتویٰ مسلمانوں کی روح یعنی تاریخ سے عہد (Commitment to History) کے خلاف تھا۔ سر سید احمد خان مرحوم نے اخلاص اور درد کے ساتھ مسلمانوں کی علمی اور اجتماعی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ اس کے لئے انہوں نے ایک طرف مسلمانوں کو نئی تعلیم کی طرف بلایا، دوسری طرف اخلاص کے ساتھ یہ کوشش کی کہ انگریز اور مسلمانوں کے درمیان غلط فہمیاں دور ہو جائیں کیونکہ دونوں کا تعاون ان کی رائے میں مسلمانوں کے لئے مفید تھا۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے مسلمانوں نے سر سید کی تحریک پر لبیک کہا اور نئی تعلیم کو اختیار کیا۔ حالانکہ بعض علمائے کرام نئی تعلیم کے حق میں نہ تھے۔ لیکن مسلمان

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "فکر و نظر" جولائی ۱۹۷۰ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے علمائے کرام کی اس رائے کو قبول نہ کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کے مزاج میں آفاقیت ہے۔ نئی تعلیم کا مطلب یہ تھا کہ ان کا رشتہ باہر کی دنیا سے قائم ہو اور وہ کسی عنوان سے اپنا اجتماعی کردار ادا کریں۔ بیسویں صدی میں مسلمانوں میں مغربی علوم کا غلغلہ کوئی نئی چیز نہ تھی، اس سے پہلے بھی مسلمان صدر اول میں یونانی حکمت و منطق کو بڑے ذوق شوق سے حاصل کر چکے تھے۔ چونکہ سرسید مرحوم کا یہ قدم مسلمانوں کے تاریخی شعور سے ہم آہنگ تھا، اس لئے مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر سید مرحوم کا ساتھ دیا۔ رہا انگریز کے ساتھ تعاون کا سوال، تو مسلمانوں نے مجموعی طور پر اس سے اجتناب کیا۔ علی گڑھ کے نوجوانوں نے جن کی قیادت محمد علی جوہر جیسے بے باک مرد مومن کر رہا تھا، تحریک خلافت میں حصہ لے کر یہ بتا دیا کہ وہ برطانوی سامراج کے خلاف ہیں۔ سرسید ہی کے عہد میں بعض دوسرے لوگوں نے جہاد کی تنسیخ پر لکھا، لیکن مسلمانوں نے اجتماعی طور پر اس قسم کے "مصلحین" کو مسترد کر کے یہ بتا دیا کہ وہ مسلمانوں کے مزاج اور اجتماعی امور سے یکسر ناواقف تھے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس قسم کی تحریروں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا، اور تنسیخ جہاد کی راہ سے مسلم جماعت کو بزدلی کا درس دینے اور اسے اپنے تاریخی رول سے الگ رکھنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن یہ ساری کوششیں یا سازشیں "یکسر رائیگاں گئیں۔ اگر مسلمان اس نئے فتنوں کا مقابلہ نہ بھی کرتے، تب بھی یہ "فتنے" اپنی موت مر جاتے کیونکہ یہ امر مسلمانوں کے مذہبی مزاج، تاریخی شعور اور اجتماعی ارادہ سے متصادم تھا۔ غرضیکہ مسلمانوں کا اجتماعی ارادہ ایک ایسی چٹان ہے جس پر ہر سازش نے اپنا سر پھوڑا۔

۴۔ اس بات کا بھی جائزہ لیا جائے کہ موجودہ وقت میں پاکستان میں اسلامی نظام کی حمایت میں جو کچھ شائع ہو رہا ہے۔ وہ کسی حد تک درست ہے۔ یہ مطبوعات یا صحافت جنہیں وسائل اور ذرائع ابلاغ کا درجہ حاصل ہے۔ کہاں تک اسلامی ضابطۂ اخلاق کی پیروی کر رہی ہیں۔

تاریخ کا یہ مطالعہ اور پاکستانی سوسائٹی کا گہرا تجزیہ ہمارے لئے اسلامی نظام کو نافذ کرنے کی راہ ہموار کرنے میں بڑی مدد دے گا اور اس سلسلے میں ہم نے تیس سال میں جو ٹھوکریں کھائی ہیں ان سے بھی ہم بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

۵۔ یہ کمیٹی اس بات کا بھی جائزہ لے کہ ملک میں مذہبی نظام سے متعلق بعض حلقوں میں جو خدشات پائے جاتے ہیں ان کے محرکات کیا ہیں؟ مثلاً کہا جاتا ہے کہ مذہبی نظام سے آزادی رائے کو نقصان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہنچے گا۔ تنگ نظری، جمود اور اختلاف رائے کی بنا پر دوسروں پر مشقِ ستم روا رکھی جائے گی۔ یا اقلیتوں کی ثقافت، مذہبی رسم و رواج پر کوئی زد آئے گی۔

یہ وہ احساسات ہیں جو ایک حلقے میں پائے جاتے ہیں ان کی وجوہ جو بھی ہوں مگر ان کے وجود سے شاید انکار ممکن نہ ہو۔ ان احساسات کا جائزہ لینے کے بعد ہمارا یہ کام ہو گا کہ تاریخ کی روشنی میں ان خدشات کا ازالہ کریں۔ اور بتائیں کہ مسلمان بنیادی طور پر بڑا ہی روادار واقع ہوا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے مخالفوں نے بھی اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ مسلمان مذہب کے معاملات میں آزادیٔ ضمیر کے قائل ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اس مثالی موقف کو ان کی "برائی" بھی کہا گیا ہے۔ [۱] یہاں پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب باتیں درست لیکن یہ بلند اخلاقی، یہ وسعت ظرف، یہ حسن سلوک، مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ساتھ روا رکھا ہے، لیکن مسلمانوں نے داخلی طور پر ایک دوسرے مسلم کے ساتھ وسعت ظرف سے کام نہیں لیا بلکہ اختلاف رائے کی بنا پر اکثر تشدد کی راہ اختیار کی گئی۔ یہی وہ دوسرا نکتہ ہے جس کو عمل اور تاریخ کی روشنی میں سلجھانے کی ضرورت ہے۔

۶۔ گزشتہ تیس سال کے انتخابی تجربے نے بتایا ہے کہ انتخابات نے ہمیشہ کشیدگی میں اضافہ کیا ہے، ایک فریق نے اپنے سیاسی حریف پر دھاندلی کے الزامات لگائے ہیں۔ جس سے قومی استحکام کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ دستور میں اس بات کا اضافہ کر دیا جائے کہ انتخابات عبوری حکومت۔ جو سب سیاسی جماعتوں پر مشتمل ہو گی۔ کی نگرانی میں کئے جایا کریں۔ یا پھر عبوری دور میں انتخابات عدلیہ اور فوج کی نگرانی میں ہوں۔ اس طریق سے ہماری سیاسی زندگی کو استحکام میسر آ جائے گا اور اقتدار پر امن ذرائع سے منتقل ہوتا رہے گا۔

اس کے ساتھ ایک دوسرا بڑا مسئلہ مخلوط انتخابات کا ہے۔ اس مسئلہ کو قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں رونما ہونے والے واقعات اور قائداعظم کی سیاسی تعلیمات کی روشنی ہی میں حل کرنا چاہیئے۔

حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ 'سبت' انسان کے لئے ہے۔ انسان سبت کے لئے نہیں۔ چنانچہ

---

[۱] ۔ آرنلڈ، Preaching of Islam. لاہور ص ۱۴۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ وسائل اور جمہوریت ہمارے لئے ہیں، ہم جمہوریت کے لئے نہیں۔ اگر حالیہ طریقِ انتخاب اور جمہوریت ہمارے سیاسی، معاشی اور ملی مسائل کو حل کرنے میں ہماری امداد نہیں کرتی۔ تو پھر ہمیں ان تمام اسباب کا سراغ لگانا ہوگا، جو ایک صاف ستھرا، پُرامن اور باعدل معاشرہ قائم کرنے اور صحت مند جمہوریت کی راہ میں حائل ہیں۔

یہ چند امور ہیں۔ جن پر دانش گاہوں میں شعبہ سیاسیات اور ایسے ہی اسلامی اداروں کے اساتذہ کرام کامیاب طور پر کام کر کے صحت مند جمہوری اور اسلامی روایات کے لئے راہ ہموار کر سکتے ہیں۔

****

© rasailojaraid.com